مسئلہ انگریزی دشمنی نہیں اردو دوستی کا ہے

عامرہ احسان

گزشتہ دنوں میرا بیٹا جو جماعت دوم کا متعلم ہے، اسکول سے ایک پرچہ لایا اور شرمساری سے سر جھکا کر میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس پرچے پر دو جرم درج تھے، جن میں سے ایک کا وہ مرتکب ہوا تھا۔ ایک یہ کہ بچہ کلاس میں باتیں کر رہا تھا یہ تو خطا تھی جس کا یہ ذمہ دار ٹھہرا۔ تاہم دوسرا جرم ایسا تھا جسے پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گئی..... اور وہ یہ کہ بچے نے دن میں اتنی مرتبہ اردو بولی اور اس پر اتنا جرمانہ عائد کیا گیا.....! خیر گزری کہ صاحبزادے نے یہ خطا نہ کی ورنہ ورنہ وہ بھی اردو بولنے والے مجرمین میں شامل ہوجاتا۔

جب اسکول کے ذمہ داران سے اس نئے ضابطے کے بارے میں گفتگو کی تو تسلی دی گئی کہ آپ تو یونہی اتنی جذباتی ہورہی ہیں۔ کوشش تو بس اتنی ہے کہ (بعض والدین کے مطالبے پر) انکل سام کی زبان انہی کے لب و لہجے میں فرفر بولی جاسکے۔ گویا قومی زبان کی تحقیر کا مسئلہ، مغرب کی شدید ذہنی غلامی کا مظہر یہ اقدام کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر جذباتی ہونے کی ضرورت ہو.....! یہ بھی بتایا گیا کہ ملک بھر کے تمام معروف اسکول سسٹم انگریزی زبان میں رواں کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں تاکہ اسکولوں کا ماحول اس نہج پر استوار ہوجائے کہ انگریزی معروف ٹھہرے اور اردو منکر..... ! مسئلہ کسی ایک آدھ اسکول کا نہیں ہے (مذکورہ اسکول نے احتجاج پر یہ ضابطہ واپس لے لیا) آئے دن بڑھتے پھیلتے انگریزی اسکولوں کے اس جال کا ہے جہاں ہر اسکول دوسرے سے بڑھ کر تاج برطانیہ کا وفادار ہے۔ گویا آئی ایم ایف کا ہر لقمہ اپنا خراج وصول کر رہا ہے۔ اگرچہ یہ بات وضاحت طلب تو نہیں کہ بظاہر ایک معمولی سا قدم اتنی تشویش کا سبب کیوں ہے۔ تاہم اس اجمال کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ہوگا کہ بسا اوقات لطیفہ بدمزہ ہوکر ہی سہی سمجھانا پڑتا ہے اور سادہ سی تشریح کے بغیر داد وصول نہیں کر پاتا۔ اس سزا کے عائد کیے جانے کے دو پہلو غور طلب ہیں:

ایک یہ کہ سزا جرم پر عائد کی جاتی ہے، جرم سے عار دلانے کے لیے۔ ''یہ کام جو تم نے کیا اس لائق نہ تھا کہ تم کرتے۔ تمہارے شایانِ شان نہ تھا دیکھو کہ آئندہ کبھی اس کے مرتکب نہ ہونا۔'' بچے نے گالی دی آپ نے سزا دی۔ بچے نے اردو بولی آپ نے سزا دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بچہ ایک نفسیاتی خوف میں مبتلا ہوگیا اب وہ اردو جب اور جہاں بولے گا چاروں طرف دیکھے گا کہ کیا یہاں اردو بے خوف وخطر بولی جاسکتی ہے۔ یا گھورتی آنکھیں، ڈانٹ ڈپٹ اور پرچہ کاٹے جانے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اردو کو حقیر جانے گا۔ اس پر مستزاد یہ کہ انگریزی پر داد وتحسین ملے گی۔ لب و

لہجہ واشنگٹن، لندن سے جتنا قریب تر ہوگا کچھ چہروں پر رشک آمیز تحیّر ہو، گالوں پر شاباش ہوگی، کاندوں پر تھپکی ہوگی ..... ''واہ بیٹا..... اتنی اچھی انگریزی کہاں سے Pick کی.....!'' اگر کوشش کے باوجود انگریزی میں روانی اور شستگی نہ پاسکا تو احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے گا۔ زبان پر تالے پڑ جائیں گے۔ شخصیت مسخ ہو جائے گی۔

دوسرا پہلو یہ کہ بچوں کو کلاس میں بات سمجھ میں نہ آئی تو پوچھیں گے نہیں۔ انگریزی پر اتنی دسترس حاصل نہیں .....اردو میں پوچھیں تو سزا کا خوف الگ اور نکّو بننے کی فکر علیحدہ..... لہٰذا علمی استعداد حاصل کرنے پر پہرے بیٹھ گئے انگریزی کے..... ضرورت تو اس امر کی تھی کہ Concepts واضح کرنے کے لیے اردو سے مدد لی جاتی۔ انگریزی سائنس، ٹیکنالوجی اور جدید علوم کی زبان ٹھہری لہٰذا وہ سکھائی جائے، پڑھائی جائے لیکن اسے اعصاب پر یوں سوار نہ کیا جائے کہ انسان خواب بھی اردو میں دیکھنا بھول جائے۔ انگریزی مطلوب ہے۔ انگریزیت نہیں۔ انگریزی اسکول سسٹمز کی پیداوار وہ طالب علم ہیں جو اردو زبان کے بخیے ادھیڑنے پر مامور ہیں۔ جو بہ تکلف اگر اردو بولنے کی زحمت اٹھالیں تو ایسے لب و لہجے میں بولتے ہیں جسے غور سے سننے پر پتا چلتا ہے کہ اردو بولی گئی ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر انگریزی زدگی کے اس دور میں داخل ہوگئے ہیں جس کا حوالہ روزگارِ فقیر میں ملتا ہے کہ جہاں علامہ اقبال سے ایک نوجوان سراپا اشتیاق یہ سوال کرتا ہے کہ آپ اپنا نام I.K.Baal کیوں نہیں رکھ لیتے۔ جس پر علامہ سلگ اٹھے اور ناراض ہو کر بولے..... آپ اپنا نام W.A.Heed رکھ لیجیے ؎

جان بھی گرو غیر ہے بدن بھی گرو غیر افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے

ہمیں پھر کسی اقبال کی ضرورت ہے جو احساس کمتری کی ماری اس قوم کو اٹھا کر اپنے پیروں پر کھڑا کر سکے۔ اسے اس کی شناخت لوٹا دے۔ اقبال کے پیغام کو حیات نو بخشنے کا سامان ہو..... پاکستان اسٹڈیز میں ایک حصہ اقبالیات کے لیے وقف ہو..... محض ایوان اقبال میں یوم اقبال منا کر، مزارِ اقبال پر پھول چڑھا کر، گارڈ بدل کر، بگل بجا کر، فاتحہ پڑھ کر نہ نکل آئیں۔

ہمیں اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کرنا ہوگا کہ انگریزی محض ایک زبان ہے۔ ہر زبان اپنے پیچھے ایک پورا تہذیبی ورثہ رکھتی ہے۔ اردو سے نابلد نسل اپنے اس ورثے سے محروم ہو جاتی ہے..... اپنے اسلاف، اپنی تاریخ، روایات، نظریاتی تشخص سے بھی نابلد رہتی ہے کٹ جاتی ہے۔ ٹھیٹھ انگریزی کمپیوٹرائزڈ اداروں کا ایک چکر لگا کر آئیے۔ آپ بھی بے اختیار کہہ اٹھیں گے ؎

یہی زمانۂ عصر حاضر کی کائنات ہے کیا شستہ رو تاریک جاں روشن دماغ

انگریزی زبان کے مابعد اثرات (Side Affect) کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہ صرف ٹائی بن کر گلے میں پھنس جانے، چھری کانٹا بن کر ہاتھوں میں اتر آنے، اکڑ بن کر رون میں سما جانے تک محدود نہیں ہے..... بلکہ وہ ایک ایسی

تہذیب کا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے ڈھالی گئی ہے جس کا ہر رخ ہماری تہذیب سے متصادم ہے۔ یہ ایک صنعتی تہذیب کی زبان ہے جہاں وقت ڈالروں میں ناپا جاتا ہے۔ شوہر، بیوی کو اور بیٹا، ماں کو بھی وقت دیتا ہے تو ڈالروں میں گن گن کر دیتا ہے، نپا تلا دیتا ہے۔ کفایت شعاری سے دیتا ہے۔ یہ روش کارڈ اور پھولوں کے گلدستے کی تہذیب ہے۔ جہاں غموں، خوشیوں میں شریک ہو کر محبت بھرے لمس یا رشتوں کا بھرم قائم رکھنے کے لیے خود زحمت اٹھانا، ایثار کرنا ضروری نہیں..... یہی کام کم خرچ میں کارڈ اور گلدستہ TCS کر کے کیا جاسکتا ہے۔ آنکھوں میں دید کی پیاس لے کر سلگنے والی ماں کا مداوا بس یہی ہے جو ٹشو پیپر اور (انگریزی الفاظ اس تہذیب کی حقیقت کو بہتر بیان کر سکتے ہیں) Disposables کی تہذیب ہے۔ صرف گلاس، پیالی، پلیٹ، چمچہ ہی استعمال کر کے پھینک نہیں دیا جاتا، انسان بھی اتنے ہی Disposable ہیں۔ بیوی خراٹے لینے والے شوہر کو Dispose Off کر کے سکون سے سو سکتی ہے۔ ہر زبان اپنے نظریات، اپنی تہذیب کو بیان کرنے کے لیے الفاظ فراہم کرتی ہے۔ انگریزی زبان میں ''حیا'' کے ہمہ جہت لفظ کو اپنی پوری کیفیات کے ساتھ بیان کر دینے کے لیے لفظ نہیں ہے۔ کئی الفاظ مل کر بھی اس تصور حیا کا احاطہ نہیں کر پاتے اس لیے کہ یہ تصور اس تہذیب کے لیے اجنبی Alien ہے لہٰذا الا ماشاء اللہ..... ہمارا انگریزی دان طبقہ بھی اپنی لغت میں وہ ''حیا'' جو ایک حرف میں سمٹ کر زندگی کے ہر بن مو میں اتر آئے اس سے یکسر خالی ہے۔ بلوی کنٹروں کی یہ تہذیب دبے پاؤں زبان کے راستے داخل ہوتی ہے اور رگ و ریشے میں یوں سما جاتی ہے کہ کسی ترشی میں اس کا تریاق نہیں ملتا۔ انگریزی .....آج کی دنیا کی ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں زبان فی نفسہ غارت گر ایمان نہیں ہوتی۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرام کو عبرانی، فارسی سیکھنے پر مامور فرمایا)..... ہر ملک، ملک ماست ہی کے مطابق ہر زبان ہماری زبان ہے، بشرطیکہ غلامانہ مرعوبیت کے ساتھ اسے نہ سیکھا جائے۔ کئی سال پہلے اپنے بچے کی تعلیمی پیش رفت معلوم کرنے اسکول گئی تو اس کی ٹیچر نے شوق سے آنکھیں روشن کیے ہوئے پوچھا:

''.....سنا ہے آپ امریکا سے حال ہی میں آئی ہیں''..... پھر واشنگٹن، نیویارک کی باتیں انہوں نے جس اشتیاق اور وارفتگی سے پوچھیں ذہنی غلامی کے کڑوے کسیلے احساس کا ذائقہ آج تک نہیں بھولا، وہ مجھ سے یوں گویا تھیں جیسے بڑی بوڑھیاں مکہ مدینہ سے لوٹ کر آنے والوں کو حسرت سے تک کر پوچھا کرتی تھیں..... یہ وہ آنکھیں ہیں جنہوں نے اللہ کے گھر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی زیارت کی ہے..... افسوس آج وہی وارفتگی وہائٹ ہاؤس اور بکنگھم پیلس کی دید کے لیے ہے۔ اس تہذیب کے اثرات سے بچ کر زبان دانی کے لیے وہ دل و نگاہ چاہیے جو اقبال کا خاصہ ہے۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

الغرض مسئلہ انگریزی دشمنی کا نہیں..... اردو دوستی کا ہے۔ انگریزی پر زور دیجیے لیکن اردو کی قیمت پر نہیں۔ معیار تعلیم بڑھائیے۔ معیار زبان نہیں..... اس قوم کو جس نے کچھ دیا..... خواہ وہ نظریات کا اسلحہ تھا یا ایٹمی..... فرنگی زبان کا مرہون منت نہ تھا..... ملک و ملت سے بے پناہ محبت اور ان تھک محنتوں کا ثمر تھا۔..... ☆☆☆.....